الصلوۃ والسلام علیك یارسول اللہ ﷺ وعلی آلك واصحٰبك یا حبیب اللہ

دار الافتاء فیضان شریعت

Azharmadani85@Gmail.com
WhatsAPP.0321-4061265
اکرم گارڈن مارکیٹ، فیز 1، نزد مناواں پولیس ٹریننگ سنٹر، بالمقابل سوئی سوئی سٹاپ، لاہور، پاکستان

کیافرماتے ہیں علماءدین ومفتیانِ شرع متین اس بارے میں کہ کیاانشورنس جائز ہےاوراس سے ملنے والانفع اپنے ذاتی استعمال میں لانا جائز ہے اور ساتھ ساتھ اسے اللہ عزوجل کی راہ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟ بعض احباب کا کہنا ہے کہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے انشورنس کو جائز کہا ہے اس کی بھی وضاحت کردیں۔ سائل:محمد رمضان (ہری پور)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

لائف ،املاک واعضاءوغیرہ کی انشورنس سود، ظلم اور جوا پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حرام وناجائز ہیں۔لائف انشورنس کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ انشورنس کمپنی اور انشورنس کرانے والے کے درمیان ایک مخصوص معاہدہ ہوتا ہے کہ اس مدت میں اتنی رقم بالاقساط کمپنی کو ادا کرے گا جن میں ہر قسط اتنے روپے کی ہوگی اور مدت پوری ہونے پر وہ رقم اضافے کے ساتھ اسے کمپنی کی طرف سے واپس کردی جائے گی اس صورت میں یہ خالص سود ہے اوراگر وہ شخص اس مدت کے پورا ہونے سے پہلے فوت ہوگیا تو وہ پوری رقم اس کے ورثہ کو ادا کردی جاتی ہے اگرچہ اس نے ایک دو قسطیں ہی جمع کروائی ہوں۔

بیمہ پالیسی میں ملنے والی زائد رقم سود کیسے ہے؟

انشورنس کمپنی بیمہ ہولڈر سے اس کی رقم منافع کمانے یعنی کاروبار کرنے کی غرض سے لیتی ہے جبکہ شرعی طور پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دیگر قباحتوں کی ساتھ ساتھ کاروبار کے تمام شرعی اصولوں کی پاسداری نہیں کی جاتی جس کی بناء پر اس رقم کی حیثیت فقط قرض کی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے پالیسی لینے والا شخص (قرض خواہ) اور انشورنس کمپنی (قرض دار) کی حیثیت رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ کمپنی کو کچھ بھی ہوجائے لوگ اپنی رقم واپس ضرور لیتے ہیں جو کہ قرض ہونے کی دلیل ہے۔اور چونکہ شرعی اعتبار سے قرض پر معاہدے کے تحت کچھ زائد لینا اگرچہ فکس نہ ہو، سود ہوتا ہے جبکہ کمپنی اپنے پالیسی ہولڈر کو اس کی جمع شدہ رقم پر زائد رقم ادا کرنے کی پابند ہوتی ہے اور یہ سود ہے۔ چنانچہ سود کی تعریف کے بارے میں فقہ کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' میں ہے: "الربا ھو الفضل المستحق لأحد المتعاقدین فی المعاوضۃ الخالی عن عوض شرط فیہ" یعنی سود عاقدین میں سے کسی ایک کے لئے معاوضہ میں ثابت ہونے والی وہ مشروط زیادتی ہے جو عوض سے خالی" (ہدایہ اخرین، جلد 2 صفحہ 82، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

اور سودی نفع کی قرآن وحدیث میں مذمت بیان فرمائی گئی چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو سود دونا دون نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو اس امید پر کہ تمہیں فلاح ملے۔

(پارہ:4، سورۃ ال عمران:3، آیت:130)

اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا﴿اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰواۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ ترجمہ کنزالایمان: وہ جو سُود کھاتے ہیں قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط بنا دیا ہو یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا بیع بھی تو سُود ہی کے مانند ہے اور اللہ نے حلال کیا

بیع کواور حرام کیاسُود۔ (پارہ:3،سورۃ البقرہ:2،آیت: 278)

اوراحادیث میں بھی بکثرت سود کی حرمت وارد ہوئی ہے چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے"لعن رسول الله صلى الله عليه واله وسلم أكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء"ترجمہ:رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سود لینے والے اور سود دینے والے اور سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا: کہ وہ سب برابر ہیں۔

(مسلم شریف،کتاب المساقاۃ۔۔جلد 2،صفحہ 27،مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

علامہ علاءالدین المتقی علیہ رحمۃ اللہ القوی ایک حدیثِ مبارکہ نقل کرتے ہیں:"جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:"كل قرض جر منفعة فهو ربا"رواه الحارث بن ابی اسامة عن امير المومنين على كرم الله تعالىٰ وجهه الكريم"ترجمہ:"ہر وہ قرض جو منفعت لے آئے وہ (منفعت) سود ہے۔اسے حارث بن ابی اسامہ نے امیر المومنین علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم سے روایت کیا۔"

(کنزالعمال،کتاب الدین والسلم،رقم الحدیث 15512،ج 6،ص 99،مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:"كل قرض جر منفعة فهو ربا" یعنی ہر وہ قرض جس سے نفع ملے وہ سود ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ،کتاب البیوع جلد 05،صفحہ 80،مطبوعہ،ملتان)

<u>اور ظلم کی صورت یہ ہے کہ بیمہ کرانے والا اگر دو یا تین قسطیں دینے کے بعد باقی اقساط ادا نہ کرے اور پالیسی ختم کرنا چاہے</u> تو اس کی ذاتی جمع کروائی ہوئی رقم اس کو واپس نہیں دی جاتی اور یہ بات صریحاً ظلم و ناجائز بقرآن وحدیث کے خلاف اور باطل طریقے سے ایک مسلمان کا مال کھانا ہے چنانچہ عربی لغت میں ظلم کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:"وضع الشیء في غير موضعه"یعنی کسی شے کو ایسی جگہ رکھنا جو اس کا محل نہ ہو"واصل الظلم الجور ومجاوزة الحد"اور ظلم کی اصل زیادتی اور حد سے بڑھنا" ہے۔" (لسان العرب،جلد 12 ص 373،مطبوعہ دارالفکر،بیروت)

اور حدیثِ پاک میں کسی کا مال ظلماً لینے کے بارے میں فرمایا گیا کہ:"من اخذ شبرا من الارض ظلما فانه يطوقه يوم القيامة من سبع ارضين"یعنی جس نے بالشت بھر زمین ظلماً (غصب کی) بروزِ قیامت اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔"

(مشکوۃ شریف،صفحہ 254،قدیمی کتب خانہ،کراچی)

اور کسی کا مال ناحق کھانے کے بارے میں قرآن مجید فرقانِ حمید میں ارشادِ باری تعالی ہے:﴿ولا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل﴾ترجمۂ کنزالایمان:"اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔" (سورۃ البقرہ،پارہ 2،آیت 188)

مصنف شرح صحیح مسلم بیمہ کے موجودہ نظام میں پائے جانے والے فساد کی متعدد وجوہات کو بیان فرماتے ہیں۔مثلاً:

(1)بیمہ کمپنی اپنے جمع شدہ سرمایہ کو گردش میں رکھنے کے لئے دوسرے صنعتی اور تجارتی اداروں کو سود پر قرض فراہم کرتی ہے اور سود حرام قطعی ہے جیسا کہ مذکورہ صحیح مسلم کی حدیث سے ثابت ہے۔

(2)یہ کہ بیمہ کرانے والے کو اگر قرض لینا ہو تو بیمہ کمپنی اس کو بھی سود پر قرض دیتی ہے۔

(3)بیمہ کرانے والا اگر دو یا تین قسطیں دینے کے بعد باقی اقساط ادا نہ کرے تو اس کی رقم اس کو واپس نہیں دی جاتی اور یہ ظلم اور ناجائز عمل ہے۔

(4)یہ کہ بیمہ کمپنی مدت پوری ہونے کے بعد بیمہ کرانے والے کو اس کی اصل رقم مع سود کے لوٹاتی ہے اور سود لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔

(5)مدت پوری ہونے سے پہلے اگر کوئی شخص طبعی موت مر جائے یا کسی حادثہ میں ہلاک ہو جائے تو اس کو پہلی صورت میں پوری مدت کی رقم اور دوسری صورت میں دگنی رقم دی جاتی ہے اب اس کو اس کی جمع شدہ اقساط سے زائد رقم جو دی جاتی ہے اس کو اگر شرط لازم قرار دیا جائے (جیسا کہ عملاً اسی طرح

ہے)تو یہ عقد صحیح نہیں ہے اور اگر اس کو تبرع اور احسان قرار دیا جائے تو یہ واقع کے خلاف ہے۔" (المختصر من شرح صحیح مسلم جلد 5، صفحہ 866)

بیمہ (انشورنس) کے بارے میں سیدی اعلیٰ امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کا موقف بھی عدمِ جواز ہی کا ہے ارشاد فرماتے ہیں: "یہ بالکل قمار ہے اور محض باطل کہ کسی عقد شرعی کے تحت میں داخل نہیں ایسی جگہ عقود فاسدہ بغیر عذر کے جو اجازت دی گئی وہ اس صورت سے مقید ہے کہ ہر طرح ہی اپنا نفع ہو اور یہ ایسی کمپنیوں میں کسی طرح متوقع نہیں لہٰذا اجازت نہیں کما حقق المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر۔" (فتاویٰ رضویہ، جلد 17 صفحہ 365، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اور "احکام شریعت" میں امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے جو بیمہ پالیسی کے جواز کا حکم ارشاد فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ اس سوال اور آپ علیہ رحمۃ الرحمٰن کے جواباً دیئے گئے ارشاد میں مذکور ہے کہ وہ بیمہ گورنمنٹ کی جانب سے تھا اور چونکہ اس وقت گورنمنٹ کفار کی تھی اور کفار سے دھوکہ و بدعہدی کئے بغیر کسی بھی طرح کا کوئی نفع یا ان کا مال لینا کہ جس کے لینے میں اپنا کسی قسم کا نقصان نہ ہو، جائز ہے۔ لہٰذا اس وقت کی گورنمنٹ کے لحاظ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواز کا حکم ارشاد فرمایا اور اس کو کئی شرائط کے ساتھ مقید کیا لہٰذا مروجہ بیمہ پالیسی کو اس پر قیاس کرنا درست نہیں۔

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن "احکام شریعت" میں تحریر فرماتے ہیں: "جب کہ یہ بیمہ صرف گورنمنٹ کرتی ہے اور اس میں اپنے نقصان کی کوئی صورت نہیں تو جائز ہے کہ کوئی حرج نہیں مگر شرط یہ ہے کہ اس کے سبب اس کے ذمہ کسی خلاف شرع احتیاط کی پابندی نہ عائد ہوتی ہو جیسے روزوں یا حج کی ممانعت۔" (احکام شریعت، حصہ 2، صفحہ 187، مشتاق بک کارنر، لاہور)

اور بیمہ پالیسی کرنے والوں میں اگر مسلمان بھی شامل ہوں جیسے ہمارے ہاں بیمہ پالیسی کرنے والے عموماً مسلمان ہی ہوتے ہیں تو اس کا حکم بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: جس کمپنی سے یہ معاملہ کیا جائے اگر اس میں کوئی مسلمان بھی شریک ہے تو مطلقاً حرام قطعی ہے کہ قمار ہے اور اس پر جو زیادت ہے ربا، اور دونوں حرام و سخت کبیرہ ہیں۔" (فتاویٰ رضویہ، جلد 23 صفحہ 595، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اور یہ بھی یاد رہے کہ کافروں کے ساتھ بہت سے عقود فاسدہ جائز ہوتے ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ جائز نہیں ہوتے جبکہ ان میں بھی کفار کے ساتھ دھوکہ یا بدعہدی نہ کی جائے جیسا کہ اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ الرحمٰن کفار سے غدر (دھوکہ) و بدعہدی کئے بغیر ان کا مال لینے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: "جو کافر نہ ذمی ہو نہ مستامن سوا غدر (دھوکہ) بدعہدی کے کہ مطلقاً ہر کافر سے بھی حرام ہے باقی اس کی رضا سے اس کا مال جس طرح ملے جس عقد کے نام سے ہو مسلمان کے لئے حلال ہے۔" (فتاویٰ رضویہ جلد، 17 ص 348، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

انشورنس والوں کا دھوکہ یا لاعلمی یہ ہے کہ انشورنس والے مسلمانوں کو صرف احکام شریعت والی عبارت دیکھا کر اس کا غلط مفہوم و مطلب سے انہیں اپنے چنگل میں پھنسا لیتے ہیں اور فتاویٰ رضوی شریف جس میں امام احمد رضا خان نے کفار اور مسلم سے انشورنس میں تفصیلی فرق و احکام بیان فرمائے وہ چھپاتے ہیں۔ آپ فتاویٰ رضویہ شریف میں تحریر فرماتے ہیں: "جس کمپنی سے یہ معاملہ کیا جارہا ہے اگر اس میں کوئی مسلمان بھی شریک ہے (اگر چہ ایک ہی کیوں نہ ہو) تو مطلقاً حرام قطعی ہے کہ قمار (جوا) ہے اور اس پر جو زیادت ہے ربا (سود ہے) اور دونوں حرام اور سخت کبیرہ ہیں۔ اور اگر اس میں کوئی مسلمان اصلاً نہیں (یعنی کمپنی کے سارے مالک کافر ہیں۔) تو یہاں جائز ہے جبکہ اس کے سبب حفظ صحت وغیرہ میں کسی معصیت (گناہ) پر مجبور نہ کیا جاتا ہو۔ جواز اس لیے کہ اس میں اپنے نقصان کی شکل نہیں، اگر بیس برس تک زندہ رہا پورا روپیہ بلکہ زیادت ملے گا، اور پہلے مر گیا تو ورثہ کو اور زیادہ ملے گا مثلاً سال بھر بعد ہی مر گیا تو دیئے 246 روپے چار آنے اور ملے 5000 روپے، ہاں یہ ضرور ہے جو زائد ملے ربا (سود) سمجھ کر نہ لے بلکہ یہ سمجھے کہ غیر مسلم (کافر) کا مال اس کی خوشی سے بلا غدر (بغیر دھوکہ) ملا، یہ حلال ہے۔" (فتاویٰ رضویہ، جلد 23، صفحہ 595، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

املاک یعنی مکان و دکان و گاڑی وغیرہ کی انشورنس یوں ہوتی ہے کہ انشورنس کمپنی اور انشورنس کرانے والے کے درمیان ایک مخصوص

معاہدہ ہوتا ہے کہ اس مدت میں اتنی رقم بالاقساط کمپنی کو ادا کرے گا جن میں ہر قسط اتنے روپے کی ہوگی اور اس مدت کے اندر وہ املاک ضائع ہو گئیں تو کمپنی اس کی تلافی کی ذمہ داری قبول کرتی ہے، اور اگر املاک کو کوئی نقصان نہ پہنچا تو قسطوں کی صورت میں ادا کی گئی رقم ضائع ہو جائے گی۔ یہ سوائے جوا کے کچھ نہیں کہ جوا میں بھی یہی ہوتا ہے کہ یا تو آئیں گے یا جائیں گے۔ اور جوئے کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿یا یھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون﴾ اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک، شیطانی کام ہیں تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ۔ (پ 7، سورۃ المائدۃ، آیت 90)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے بیمہ پالیسی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے ناجائز قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: یہ بالکل قمار (جوا) ہے اور محض باطل کہ کسی عقد شرعی کے تحت داخل نہیں۔" (فتاوی رضویہ، جلد 17، صفحہ 365، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مفتی وقار الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "ہر قسم کا بیمہ ناجائز ہے اسلام کا قاعدہ یہ ہے کہ جو کسی کا مالی نقصان کرے گا وہی ضامن ہوگا اور بقدر نقصان تاوان دے گا۔ قرآن کریم میں ہے ﴿فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم﴾ یعنی جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرلو (لیکن) اسی قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو۔ لہٰذا چوری، ڈکیتی، آگ لگنے اور ڈوبنے وغیرہ کا بیمہ ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب مال کا نقصان انشورنس کمپنی نے نہیں کیا وہ تاوان کیوں دے گی؟ پھر زندگی کے اور دیگر ہر قسم کے بیمے میں جوا بھی شامل ہے کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ زندگی کے بیمے کی کتنی قسطیں ادا کرے گا کہ موت آجائے گی اور وہ پوری رقم (جتنے کا بیمہ تھا) اس کے وارثوں کو مل جائے گی۔ اور اگر زندہ رہ گیا تو دی ہوئی رقم مع سود کے واپس کردی جائے گی۔ غرض یہ کہ بیمہ محرمات کا مجموعہ ہے۔ اب یہ کہا جا رہا ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لیے لوگوں سے جو روپیہ لیا جاتا ہے وہ ان لوگوں کو دے دیا جاتا ہے جن کا نقصان ہوتا ہے اگر یہ صحیح ہے تو جتنا روپیہ وصول کیا جاتا ہے وہ ان لوگوں کی اجازت سے ہے جن سے لیا گیا ہے، اگر نقصان زدہ لوگوں میں تقسیم کردیا جائے تو پھر انشورنس کمپنیاں کروڑوں روپے کہاں سے کماتی ہیں؟ معلوم ہوا کہ یہ عذر صرف لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے گھڑے گئے ہیں" (وقار الفتاوی، جلد 1، صفحہ 240، بزم وقار الدین، کراچی)

لہٰذا اگر کہیں ایسا ہو کہ کوئی کمپنی ایسی ہو جس میں کسی بھی مسلمان کا کوئی حصہ نہ ہو وہ تمام کی تمام کفار پر مشتمل ہو وہی اس کے مالک ہوں تو اس صورت میں ان سے لائف انشورنس کروانا بھی جائز اور ان سے زیادتی لینا بھی جائز ہے مگر اسے سود سمجھ کر نہ لے بلکہ اس نیت سے لے کہ کافر کا مال بغیر دھوکے کے جو وہ اپنی خوشی سے دے حلال ہے جیسا کہ اوپر فتاوی رضویہ کے حوالہ سے بالتفصیل گزرا۔

ہاں یہ بھی یاد رہے کہ کافر گورنمنٹ سے بھی انشورنس کروانا اسی صورت میں جائز ہے جبکہ اپنے نفع کا غالب گمان ہو، اور نقصان کی کوئی صورت نہ ہو، اگر غالب گمان نہ ہو بلکہ نقصان ہی کا زیادہ اندیشہ ہو تو اس سے بیمہ کروانا بھی جائز نہ ہوگا چنانچہ علامہ محمد امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "قال فی فتح القدیر: لا یخفی أن ھذا التعلیل إنما یقتضی حل مباشرۃ العقد إذا کانت الزیادۃ ینالھا المسلم والربا أعم من ذلک إذ یشمل ما إذا کان الدرھمان أی فی بیع درھم بدرھمین من جھۃ المسلم ومن جھۃ الکافر وجواب المسألۃ بالحل عام فی الوجھین و کذا القمار قد یفضی إلی أن یکون مال الخطر للکافر بأن یکون الغلب لہ فالظاھر أن الإباحۃ بقید نیل المسلم الزیادۃ" یعنی صاحب فتح القدیر نے لکھا کہ اب یہ بات کسی پر مخفی نہ رہے کہ جب مسلمان کو زیادہ فائدہ و نفع مل رہا ہو تو اس صورت میں یہ علت ان کے ساتھ عقود کے حلال ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ اور ایک درہم کے بدلے کافر سے دو درہم لینے میں یقیناً مسلمان کا زیادہ نفع ہے اور جواز اسی صورت میں ہے جب مسلمان کو نفع زیادہ ہو۔ (رد المحتار، مطلب استقراض الدراہم عددا، جلد 07، صفحہ 442، مطبوعہ، لاہور)

لاعلمی کی بناء پر انشورنس پالیسی لے لی اور اب اس پر نفع مل گیا تو اس نفع کا کیا کیا جائے؟

مسلمان سے کی ہوئی انشورنس میں جو نفع زیادہ ملتا ہے وہ سود ہونے کی وجہ سے ملک خبیث ہے اور ملک خبیث کو اپنے ذاتی استعمال میں لانا حرام ہوتا ہے۔سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا کہ ”کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اول سود کھاتا تھا اب اس نے توبہ کرلی کہ اب میں سود نہیں لوں گا اور نہ سود لیا پہلا جو مال اس کے پاس سودی ہے اس کا خرچ کرنا اپنے حوائج میں جائز ہے یا نہیں؟ اس کے ورثاؤں کو وہ مال حلال ہے یا حرام؟ جواباً ارشاد فرمایا ”سود میں جو مال ملتا ہے وہ سود خور کے قبضہ میں آکر اگرچہ اس کی ملک ہوجاتا ہے۔۔۔مگر وہ ملک خبیث ہوتی ہے اس پر فرض ہوتا ہے کہ ناپاک مال جن جن سے لیا ہے انہیں واپس دے وہ نہ رہے ہوں تو ان کے وارثوں کو دے وہ بھی نہ ملیں تو تصدق کردے، بہرحال اپنے حوائج میں اسے خرچ کرنا حرام ہوتا ہے اگر اپنے خرچ میں لائے گا تو وہ اب بھی سود کھارہا ہے اور اس کی توبہ جھوٹی ہے، لانہ لم یندم علی الماضی وماترك فی الاٰتی ولم یمح الباقی فلم یوجد شیء من ارکان التوبۃ ۔کیونکہ وہ گزشتہ پر نادم نہیں ہوا اور آئندہ کے لئے اس کو چھوڑا نہیں اور نہ ہی باقی کو مٹایا تو اس طرح ارکان توبہ میں سے کوئی بھی نہیں پایا گیا۔وارث کو اگر معلوم ہو کہ اس کے مورث نے فلاں فلاں شخص سے اتنا اتنا حرام لیا تھا تو انہیں پہنچادے اور اگر سب معلوم ہو کہ بعینہ یہ روپیہ جو اس صندوق یا اس تھیلی میں ہے خالص مال حرام ہے تو اسے فقراء پر تصدق کردے اور اگر سب مخلوط ہے اور جن سے لیا وہ بھی معلوم نہیں تو وارث کیلئے جائز ہے اور بچنا افضل ہے۔“

(فتاوی رضویہ،جلد 17،صفحہ 379،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

اگر کسی کے پاس ایسے پیسے آگئے ہوں تو اسے (سودی رقم کو) بغیر ثواب کی نیت سے صدقہ کردیا جائے۔سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں ”تصدق بطور تبرع واحسان وخیرات نہیں بلکہ اس لئے کہ مال خبیث میں اسے تصرف حرام ہے“

(فتاوی رضویہ،جلد 17،صفحہ 352،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

سود کی رقم کو بغیر ثواب کی نیت سے کسی فقیر شرعی جسے زکوۃ دے سکتے ہیں اسے دے دیا جائے، مسجد وغیرہ پر خرچ نہیں کرسکتے۔مسجد پر پاکیزہ وستھرا مال خرچ کیا جائے کہ اللہ عزوجل حرام کو قبول نہیں کرتا کیونکہ وہ خود پاک ہے اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔مسلم کی حدیث میں ہے ”وعن أبي هريرة قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:ايها الناس:إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا“ ترجمہ:ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:اے لوگو! بے شک اللہ عزوجل پاک ہے اور نہیں قبول کرتا مگر پاکیزہ شے کو۔

(صحیح مسلم،باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب،جلد 02،صفحہ 703،بیروت)

صرف انہی لوگوں کو دیں جو زکاۃ وفطرہ لینے کے حق دار ہیں وہ لینے کے بعد اگر اپنی مرضی وخوشی سے کسی کار خیر مثلاً مسجد پر خرچ کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں۔امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ”زرحرام والے کو یہ حکم ہوتا ہے کہ جس سے لیا اسے واپس دے وہ نہ رہا اس کے وارثوں کو دے پتہ نہ چلے تو فقراء پر تصدق کرے یہ تصدق بطور تبرع واحسان وخیرات نہیں بلکہ اس لئے کہ مال خبیث میں اسے تصرف حرام ہے اور اس کا پتہ نہیں جسے واپس دیا جاتا لہٰذا دفعِ خبث وتکمیل توبہ کے لئے فقراء کو دینا ضرور ہوا، اس غرض کے لئے جو مال دفع کیا جائے وہ مساجد وغیرہ امورِ خیر میں صرف کہ خبیث ہے اور یہ مواضعِ خبیث کا مصرف نہیں، ہاں فقیر اگر لے کر بعد قبول وقبضہ اپنی طرف سے مسجد میں دے دے تو مضائقہ نہیں“

(فتاوی رضویہ جلد 17،صفحہ 352،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــــہ

ابو اطہر مفتی محمد اظہر عطاری المدنی

21 ذو الحجۃ الحرام 1438ھ 13 ستمبر 2017ء